جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

رجب المرجب ۱۴۳۵ھ جون ۲۰۱۴ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

معاملات کی صفائی اور تنازعات

ہمارے معاشرے میں آپس کے جھگڑوں اور تنازعات کا جو سیلاب اُمڈا ہوا ہے، اس کا تھوڑا سا اندازہ عدالت میں دائر ہونے والے مقدمات سے ضرور ہوسکتا ہے، لیکن یہ اندازہ یقیناً ناکافی اور حقیقت سے بہت کم ہوگا، کیونکہ بے شمار تنازعات وہ ہیں جن کے عدالت تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عدالت سے رجوع کرنے میں وقت اور پیسے کا جو بے تحاشا صرفہ (خرچ) ہوتا ہے اس کی وجہ سے بہت سے لوگ عدالت سے رجوع نہیں کر پاتے، اس کے بجائے فریقین میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کی حد تک دوسرے کو زک (نقصان) پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے، اور اس طرح عداوت کی آگ بھڑکتے بھڑکتے کئی کئی پشتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

ان تنازعات کی تہ میں اگر دیکھا جائے تو وہی زر اور زمین کے معروف اسباب کارفرما نظر آتے ہیں، روپیہ پیسہ اور زمین جائیداد کا جھگڑا بڑے بڑے پرانے تعلقات کو دیکھتے ہی دیکھتے بھسم کر ڈالتا ہے، اور اس کی وجہ سے بڑی بڑی مثالی دوستیاں آن کی آن میں دشمنیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

اس صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں لیکن ایک بہت بڑا سبب ''معاملات'' کو صاف نہ رکھنا ہے، ہمارے دین کی ایک انتہائی زریں تعلیم یہ ہے کہ:

''آپس میں رہو بھائیوں کی طرح، لیکن لین دین کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو''۔

مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ ایسا کرو جیسے

ایک بھائی کو دوسرے کو ساتھ کرنا چاہیے، اس میں ایثار، مروت، رواداری، تحمل اور اپنائیت کا مظاہرہ کرو، لیکن جب روپے پیسے کے لین دین، جائیداد کے معاملات اور شرکت وحصہ داری کا مسئلہ آجائے تو بہتر تعلقات کی حالت میں بھی انہیں اس طرح انجام دو جیسے دو اجنبی شخص انہیں انجام دیتے ہیں، یعنی معاملے کی ہر بات صاف ہونی چاہئے، نہ کوئی بات ابہام میں رہے، اور نہ معاملے کی حقیقت میں کوئی اشتباہ باقی رہے۔

اگر محبت، اتفاق اور خوشگوار تعلقات کی حالت میں دین کی اس گراں قدر تعلیم پر عمل کرلیا جائے تو بعد میں پیدا ہونے والے بہت سے فتنوں اور جھگڑوں کا سدباب ہوجاتا ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس اہم اصول کو جس طرح نظرانداز کیا جارہا ہے، اس کے چند مظاہر یہ ہیں:

(ا) بسا اوقات ایک کاروبار میں کئی بھائی یا باپ بیٹے مشترک طور پر ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور کسی حساب وکتاب کے بغیر سب لوگ مشترک کاروبار سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں، نہ یہ بات طے ہوتی ہے کہ کاروبار میں کس کی کیا حیثیت ہے؟ آیا وہ کاروبار میں تنخواہ پر کام کررہے ہیں؟ یا کاروبار کے حصہ دار ہیں؟ تنخواہ ہے تو کتنی؟ اور حصہ ہے تو کس قدر؟ بس ہر شخص اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق کاروبار کی آمدنی استعمال کرتا رہتا ہے، اور اگر کبھی کوئی شخص یہ تجویز پیش کرے کہ کاروبار میں حصے یا تنخواہ وغیرہ متعین کرلینی چاہیے تو اسے محبت اور اتفاق کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار کا انجام اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کے خلاف رنجشیں پرورش پاتی رہتی ہیں، بالخصوص جب حصہ داروں کے یہاں شادیاں ہوجاتی ہیں تو ہر شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ دوسرے نے کاروبار سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اور مجھ پر ظلم ہوا ہے، اگرچہ ظاہری سطح پر

باہم رورعایت کا وہی انداز باقی نظر آتا ہے لیکن اندر ہی اندر رنجشوں کا لاوا پکتا رہتا ہے اور بالآخر جب یہ رنجشیں بدگمانیوں کے ساتھ مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں تو یہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے، اور محبت و اتفاق کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، زبانی تو تکار سے لے کر لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازی تک کسی کام سے دریغ نہیں ہوتا، بھائی بھائی کی بول چال بند ہو جاتی ہے، ایک بھائی دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں رہتا، جس کے قابو میں کاروبار کا جتنا حصہ آتا ہے، وہ اس پر قابض ہو کر عدل وانصاف کا بے دریغ خون کرتا ہے، اور پھر اپنی نجی مجلسوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کا وہ طوفان کھڑا کرتا ہے کہ الامان۔

پھر چونکہ سالہا سال تک مشترک کاروبار نہ کوئی اصول طے شدہ تھا، نہ کوئی حساب وکتاب رکھا گیا، اس لیے اگر اختلاف پیش آنے کی صورت میں افہام وتفہیم سے کام لینے کی کوشش کی بھی جاتی ہے، تو معاملات کی ڈور الجھ کر اتنی پیچیدہ ہو چکی ہوتی ہے کہ منصفانہ تصفیہ کے لیے اس کا سرا پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے، ہر شخص واقعات کو اپنے مفاد کی عینک سے دیکھتا ہے، اور مصالحت کا کوئی ایسا فارمولا وضع کرنا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے، جو تمام متعلقہ فریقوں کے لیے قابل قبول ہو۔

یہ سارا فساد اکثر وبیشتر اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ کاروبار کے آغاز میں، یا اس میں مختلف افراد کی شمولیت کے وقت معاملے کو معاملے کی طرح طے نہیں کیا جاتا، اگر شروع ہی سے یہ بات واضح ہو کہ کس شخص کی کیا حیثیت ہے؟ اور کس کے کیا حقوق وفرائض ہیں؟ اور یہ ساری باتیں تحریری شکل میں محفوظ ہوں تو بہت سے جھگڑوں اور بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کا شروع ہی میں سدباب ہو جائے۔

قرآن کریم میں جو آیت سب سے طویل آیت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام

مسلمانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کروتو اسے لکھ لیا کرو، جب معمولی رقم ادھار دینے پر یہ تاکید ہے تو کاروبار کے پیچیدہ معاملات کوتحریر میں لانے کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی؟

یہ حکم اسی لیے دیا گیا ہے تاکہ بعد میں تنازعات اور اختلافات پیدا نہ ہوں، اور اگر ہوں تو انہیں حق وانصاف کے مطابق نمٹانا آسان ہو۔

لہٰذا اگر کسی کاروبار میں ایک سے زیادہ افراد کام کر رہے ہیں تو پہلے ہی قدم پر ان میں سے ہر شخص کی حیثیت کا تعین ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر باپ کے کاروبار میں کوئی بیٹا شامل ہوا ہے تو اس کے بارے میں بھی پہلے ہی دن سے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ وہ تنخواہ پر کام کرے گا یا کاروبار میں باقاعدہ حصہ دار ہوگا؟ یا محض اپنے باپ کی مدد کرے گا؟ پہلی صورت میں اس کی تنخواہ متعین ہونی چاہیے اور یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ وہ کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار نہیں ہے اور دوسری صورت میں اگر اسے کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار بنانا ہے تو شرعاً اس کی پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کی طرف سے کاروبار میں کچھ سرمایہ ضرور شامل ہونا چاہیے (جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باپ اسے کچھ نقد رقم ہبہ کردے، اور وہ اس رقم سے کاروبار کا ایک متعین فی صد حصہ خرید لے) دوسرے یہ بات تحریری طور پر ایک معاہدۂ شرکت کی شکل میں محفوظ کر لینی چاہیے اور اس معاہدے میں یہ بھی صراحت ہونی ضروری ہے کہ نفع میں کتنا فی صد حصہ کس کا ہوگا؟ تاکہ بعد میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔

اگر کسی ایک حصہ دار کو کاروبار میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہو تو یہ بات بھی طے ہونی چاہیے کہ آیا وہ یہ زیادہ کام رضاکارانہ طور پر کرے گا، یا اس زیادہ کام کا کوئی معاوضہ اسے دیا جائے گا، اگر کوئی معاوضہ دیا جائے گا تو وہ نفع کے فیصد حصے میں اضافہ کر کے دیا جائے گا، یا متعین تنخواہ کی صورت میں؟ غرض ہر فریق کے حقوق وفرائض اتنے واضح ہونے ضروری

ہیں کہ ان میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

اگر بالفرض کسی کاروبار میں اب تک ان باتوں پر عمل نہیں کیا گیا، تو جتنی جلد ہو سکے ان امور کو طے کر لینا ضروری ہے، اور اس معاملے میں کسی شرم، مروت اور طعن و تشنیع کو آڑے نہ آنے دینا چاہیے۔ معاملات کی اس صفائی کو محبت و اخوت اور اتحاد و اتفاق کے خلاف سمجھنا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ بلکہ درحقیقت محبت اور اتفاق کی پائیداری ان امور پر منحصر ہے، ورنہ آگے چل کر یہ سطحی محبت دلوں میں عداوت کو جنم دے سکتی ہے، اور اسی لیے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ: ''رہو بھائیوں کی طرح، لیکن معاملات اجنبیوں کی طرح کرو''۔

(۲) اسی طرح ہمارے معاشرے میں، بالخصوص متوسط آمدنی والے طبقے میں، اپنے ملکیتی مکان کا حصول ایک بڑا مسئلہ ہے، اور عموماً کسی مکان کی تعمیر یا اس کی خریداری خاندان کے کئی افراد مل کر کرتے ہیں، اگر باپ نے کوئی مکان بنانا شروع کیا ہے تو بیٹے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اس میں اپنی رقمیں لگاتے ہیں، لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ یہ رقمیں کچھ سوچے سمجھے بغیر، اور بسا اوقات کوئی حساب رکھے بغیر لگا دی جاتی ہیں، یعنی یہ بات طے نہیں ہوتی کہ بیٹا جو رقم مکان کی تعمیر کے لیے دے رہا ہے، آیا یہ باپ کی خدمت میں ہدیہ ہے؟ یا قرض ہے؟ یا وہ مکان کی ملکیت میں حصہ دار بننے کے لیے یہ رقم خرچ کر رہا ہے؟ پہلی صورت میں نہ وہ مکان کی ملکیت کا حصہ دار ہوگا، نہ باپ سے یہ رقم کسی وقت واپس لینے کا حق دار ہوگا، دوسری صورت میں مکان تو تنہا باپ کی ملکیت ہوگا، لیکن دی ہوئی رقم اس کے ذمہ قرض سمجھی جائے گی، تیسری صورت میں اپنی لگائی ہوئی رقم کے بقدر وہ مکان کی ملکیت میں بھی شریک ہوگا، اور مکان کی قیمت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے حصے کی مالیت میں بھی اضافہ ہوگا۔ غرض ہر صورت کے تقاضے اور نتائج مختلف ہیں، لیکن چونکہ رقم لگاتے وقت ان تینوں میں سے کوئی صورت طے نہیں ہوتی، نہ رقموں کا پورا حساب رکھا جاتا

ہے ،اس لیے آگے چل کر جب مکان کی قیمت بڑھتی ہے تو آپس میں اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں اور خاص طور پر باپ کے انتقال کے بعد جب ترکے کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے،تو یہ اختلافات ایک لاینحل مسئلے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ،ان کی وجہ سے بھائیوں میں چھوٹ چھٹاؤ کی نوبت آجاتی ہے،اورلڑائی جھگڑوں سے خاندان کا خاندان متأثر ہوتا ہے۔

اگر اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے تعمیر کے شروع ہی میں یہ ساری باتیں طے کر لی جائیں اورانہیں تحریری طور پر قلم بند کرلیا جائے تو اس خاندانی فساد کا راستہ بند ہوجائے۔

(۳) جب خاندان کے کسی بڑے کا انتقال ہوتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جلد از جلد اس کا ترکہ اس کے شرعی وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے ،لیکن ہمارے معاشرے میں شریعت کے اس حکم سے شدید غفلت برتی جاتی ہے،بعض اوقات تو جس کے جو ہاتھ لگتا ہے، لے اڑتا ہے،اور حلال وحرام ہی کی پرواہ نہیں کی جاتی۔اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کے پیش نظر بد دیانتی نہیں ہوتی،لیکن ناواقفیت یا لاپروائی کی وجہ سے میراث تقسیم نہیں ہوتی ،اوراگر مرحوم نے کوئی کاروبار چھوڑا ہے تو اس پر وہی بیٹا کام کرتا رہتا ہے جو مرحوم کی زندگی میں کرتا تھا۔لیکن یہ طے نہیں کیا جاتا کہ اب کاروبار کی ملکیت کس تناسب سے ہوگی؟ شرعی ورثاء کے حصوں کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ کام کرنے والے کو اس کی خدمات کا معاوضہ کس طرح ادا کیا جائے گا؟ ترکے میں کون سی چیز کس کے حصے میں آئے گی ؟ بلکہ اگر کوئی شخص ترکے کی تقسیم کی طرف توجہ دلائے بھی،تو اس کی تجویز کو ایک معیوب تجویز سمجھا جاتا ہے، کہ ابھی مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا کہ لوگوں کو بٹوارے کی فکر پڑ گئی ہے۔

حالانکہ یہ بٹوارہ شریعت کا حکم بھی ہے، معاملات کی صفائی کا تقاضہ بھی ،اوراسے نظر انداز کرنے کا نتیجہ وہی ہوتا ہے کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ورثاء کو اپنے اپنے حقوق

کا خیال آتا ہے، رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، ترکے کی اشیاء کی قیمتوں میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے، اور چونکہ کوئی بات پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی، اس لیے اب معاملات الجھ جاتے ہیں، ان کے مناسب تصفیہ میں سخت مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں، اوران سب باتوں کا نتیجہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

اگر شریعت کے حکم کے مطابق وقت پر ترکے کی تقسیم عمل میں آجائے اور باہمی رضامندی اور اتحادواتفاق کے ساتھ تمام ضروری باتیں طے پاجائیں تو آئندہ تنازعات پیدا ہونے کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے، اور باہمی محبت واخوت کو فروغ ملتا ہے۔

یہ تو میں نے صرف تین سادہ سی مثالیں پیش کی ہیں، ورنہ اگر معاشرے میں پھیلے ہوئے جھگڑوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ معاملات کو صاف نہ رکھنا ہمارے معاشرے کا ایک ایسا روگ بن چکا ہے جس نے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ معاملہ، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، صاف ستھرا ہونا چاہیے، اس کی شرائط واضح اور غیر مبہم ہونی چاہئیں، اوراس سلسلے میں کوئی شرم وحیاء اور لحاظ ومروت آڑے نہیں آنی چاہیے، جب ایک مرتبہ معاملے کی شرائط اس طرح طے پاجائیں تو اس کے بعد باہمی برتاؤ میں جو شخص جس سے جتنا حسن سلوک کر سکے، بہتر ہی بہتر ہے، اور یہی مطلب ہے اس ارشاد کا کہ: ''رہو بھائیوں کی طرح اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو''۔ (از: ذکر وفکر)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن ابن عمر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل شئ بقدر حتیٰ العجز والکیس۔(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا نا کارہ اور نا قابل ہونا اور قابل وہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔

تشریح

مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و نا قابلیت ،صلاحیت وعدم صلاحیت اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء وقدر کے ماتحت ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجهه حتیٰ کانما فقئ فی وجنتیه حب الرمان فقال أبھٰذا امرتم ام بھٰذا ارسلت الیکم انما ھلك من کان قبلکم حین تنازعوا فی ھٰذا الامر ،عزمت علیکم عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیه۔(رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاء وقدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ بہت برافروختہ اور غضبناک ہوئے ، یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم

ہوتا تھا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے ہم سے فرمایا کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لیے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء وقدر جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو) خبردار! تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح

قضاء وقدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل اور نازک مسئلہ ہے، لہٰذا مؤمن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل دماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے، پس جب اللہ کے سچے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لیے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لیے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں، بلکہ اپنی عقل اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ یہ حضرات آپ کی تعلیم وتربیت میں تھے، اور آپ سے براہ راست دین حاصل کررہے تھے، ان کو جب آپ نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم ومربی کی طرح آپ کو

سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا۔تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً ان کی گمراہی ہے،قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لیے بکثرت استعمال ہوا ہے،اس بناپر آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اورنزاع سے فرمائی گئی ہے۔ پس اگرکوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مؤمن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلبی کے لیے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے پہلی دوحدیثوں میں خودرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

(معارف الحدیث ص۱۷۳۔۱۷۴)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

غالباً کسی ہدیہ کی واپسی کے متعلق فرمایا کہ ہر چیز کے قواعد ہیں، نماز کے، روزے کے، حج کے، زکوٰۃ کے تو کیا ہدیہ کا کوئی قاعدہ ہی نہیں، اس کے قواعد بھی حدیثوں سے معلوم ہوتے ہیں، غالباً ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اونٹ پیش کیا حضور ﷺ نے اس کے بدلے میں کئی اونٹ دیے مگر وہ راضی نہ ہوا تو حضور ﷺ نے ایک خطبہ میں اس کے متعلق فرمایا: هممت ان لااقبل هدية الامن قرشي اوثقفي اودوسي ان قبیلوں کے لوگوں کی طبیعتوں میں سخاوت تھی تو معلوم ہوا کہ بعض عوارض کی وجہ سے عدم قبول ہدیہ بھی سنت ہے اور یہ عوارض اجتہادی ہوتے ہیں یہ لینے والے کی رائے پر ہیں۔

فرمایا خوشبو پیش کرنے کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی خوشبو پیش کرے تو لے لو اور اس کی یہ علت فرمائی فانهاطيب النكهة خفيف المحمل اس تعلیل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شے گراں معلوم ہوتی ہو تو واپس کر دے۔

فرمایا ایک فوجی آئے مگر موجی اور کچھ ہدیہ دینا چاہا جو قاعدہ کے خلاف تھا بہت سی مختلف چیزیں تھیں، میں نے نرمی کے ساتھ واپس کر دیں، انہوں نے اصرار کیا تو میں نے کہا کوئی خدانخواستہ تم سے ضد نہیں ہے مگر میرے معمول کے خلاف ہے، کہنے لگے نہیں یہ تو آپ کو لینا ہی پڑے گا، میں نے کہا تو کیا میں اپنا قاعدہ بدل دوں بولے یہ تو لینا ہی پڑے گا میں بہت ہی آرزو کر کے لایا ہوں میں نے کہا دیکھئے اب مجھے غصہ آ چلا ہے، انہوں نے

پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ گائی، میں نے پھر ان کو ایک ڈانٹ پلائی اپنا ہدیہ لے کر بھاگے اور مسجد میں جا کر پناہ لی، میں نے دل میں کہا کہ بے چارے کس خیال سے آئے ہوں گے مگر سب حساب غلط ہو گیا بقول شاعر ؎

چومی بینم کسے کز کوئے تو دلشادمی آید فریبے کز تو اول خوردہ بودم یادمی آید

لوگ اول اول تو خوش خوش آتے ہیں پھر ڈانٹ پڑ جاتی ہے تو ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں یہ کیا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔

فرمایا مولوی عبدالرب صاحب دہلوی واعظ تھے ظریف بھی تھے جب ان کے پاس کوئی نابینا آتا تو کہتے ہاں کہئے جو کچھ آپ کو کہنا ہے پہلے آپ کو فارغ کر دوں آپ سے بہت ڈر لگتا ہے کہ اللہ میاں کو بھی حضور ﷺ سے خفا کرا دیا تھا، پھر فرمایا کہ واعظ لوگ بھی ہر جگہ ظرافت سے کام لیتے ہیں۔

فرمایا اس میں اختلاف ہے کہ محبت میں ادب بڑھتا ہے یا گھٹتا ہے ایک قول تو یہ ہے کہ جب محبت قوی ہوتی ہے تو ادب بڑھ جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب محبت قوی ہو جاتی ہے تو ادب گھٹ جاتا ہے، بظاہر دونوں قول متعارض ہیں مگر میرے ذوق میں ان میں یہ تطبیق ہے کہ اگر محبت مغلوب اور معرفت غالب ہوتی ہے تو ادب بڑھ جاتا ہے اور اگر محبت غالب اور معرفت مغلوب ہوتی ہے تو ادب گھٹ جاتا ہے۔

فرمایا حضرت حاجی صاحب کے ایک خادم کو بین النوم والیقظہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی فرمایا اپنے پیر سے ہمارا اسلام کہہ دینا وہ ہماری اولاد ہیں اور ہماری طرف سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا، جب حاضر ہوئے تو خواب سنایا حضرت سر جھکا کر بیٹھ گئے، انہوں نے کہا مجھے تو شرم آتی ہے، فرمایا یہ تمہارا ہاتھ تھوڑا ہی ہے یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

قتل مسلم (قسط ۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من حمل علینا السلاح فلیس منا(الحدیث) سورۃ نساء میں ہے: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (۴/۹۳) (جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے، اللہ کا غضب ہے، اس کی پھٹکار ہے، اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو ایسوں کیلئے تیار ہو چکا ہے) یہ آیت اس بارہ میں نص قطعی وظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلا کسی حق شرعی کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا اللہ کے غضب ولعنت کا مورد ہوگا اور عذاب الیم کا مستحق۔

بخاری ومسلم میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، ورواہ الترمذی وصححہ ولفظہ قتال المسلم اخاہ کفر وسبابہ فسوق یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی لڑنا کفر ہے، آنحضرت ﷺ نے آخری حج کے موقع پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اس میں ہمیشہ کیلئے تمام امت کو وصیت فرمائی لا ترجعوا (فی روایۃ لا ترجعون) بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری) میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑائے۔

مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا جائز نہیں

اور بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لا یشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزع ما فی یدہ وفی روایۃ ینزع بالعین فیقع فی حفرۃ من النار(وایضا اخرجہ مسلم عن ابن رافع وابو نعیم فی المستخرج من مسند ابن راھویہ)

یعنی فرمایا کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو، ممکن ہے کہ ہتھیار لگ جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو، یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کرگئی اور مسلمان کا خون ہوگیا تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہوجائے گا جس کی پاداش عذاب جہنم ہے۔

اور ابن ابی شیبہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: الملا ئکة تلعن احدکم ان اشار الی الآخر بحدیدة وان کان اخاہ لا بید و امد، اور امام ترمذی نے ایک دوسری سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے: من اشار الی اخیہ بحدیدة لعنه اللّٰہ و الملا ئکة (قال حسن صحیح غریب و کذا صححه ابو حاتم من ھذا الوجه) یعنی فرمایا جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، فتح الباری میں ہے: قال ابن العربی اذ استحق الذی بغیرہ بالحدیدة اللعن فکیف الذی یصیب بھا؟ وانما استحق اللعن اذا کانت اشارة تھدیدا سواء کان جادا ام لاعبا (جلد۱۳/۲۱) یعنی ابن العربی نے کہا جب صرف ہتھیار اٹھا کر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں تو اس بد بخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کرڈالے؟ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کیلئے ایسا کرے خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے، انتھیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی، دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتھیار اٹھا کر کسی مسلمان کو ڈرائے تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا، یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کیلئے جائز نہیں اور یہ فعل اس درجہ شریعت کے نزدیک مبغوض ہے کہ اس کی ہنسی، دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹھہری۔

قتل مسلم پر وعید

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: زوال الدنیا کلھا اھون علی اللّٰہ عن قتل رجل مسلم (اخرجه الترمذی وقال حدیث حسن واخرجه النسائی بلفظ لقتل

المؤمن اعظم عند الله من زوال الدنیا، یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہوجانے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے، اور اسی بنا پر فرمایا: اول ما یقضی بین الناس فی الدمارواہ البخاری عن ابن مسعود وزاد اومسلم فی یوم القیامة، قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکائے گا وہ انسان کا خون ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپ نے فرمایا: تزود من الماء البارد فانک لن تدخل الجنة (رواہ البیہقی) بن پڑے تو اچھی طرح ٹھنڈے پانی کی تیاری کر لے کیونکہ تیرا ٹھکانا دوزخ ہے، تو یقیناً جنت میں نہ جائے گا۔

حقیت یہ ہے کہ ایک مسلمان کیلئے شرک کے بعد اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر نہیں ہوسکتا کہ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے۔

مسلمان قومیت کی بنیاد

شریعت نے مسلمانوں کی جمعیت وقومیت کی بنیاد باہمی مؤاخات پر رکھی ہے، یعنی ہر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ہے: فاصبحتم بنعمته اخوانا اور انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس جب دو بھائیوں میں رنجش ہوجائے تو صلح کرادو۔ مسلمانوں کی قومی سیرت جابجا یہ بتلائی: اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین (۵/۵۴) اشداء علی الکفار رحماء بینهم (۴۸. ۲۹) ان میں جس قدر بھی نرمی ہے مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس قدر بھی سختی ہے غیروں کے ساتھ، وہ سب سے زیادہ نرم بھی ہیں اور سب سے زیادہ سخت بھی، نرم اپنوں کیلئے سخت غیروں کیلئے، ان کے پاس محبت بھی ہے عداوت بھی، لیکن محبت پرستارانِ حق کے ساتھ کرتے ہیں عداوت دشمنان حق کے ساتھ۔

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات وتمثیلات ملتی ہیں وہ مشہور ومعلوم ہیں اور مہاجرین وانصار اور عام صحابہ کرام نے ان کی عملی تصویر بن کر ہمیں بتلادیا ہے کہ اخوت دینی کے معنی کیا

ہیں؟ ہر مسلمان پر اس کی نماز اور روزہ سے بھی بڑھ کر جو چیز فرض کر دی گئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے محبت کرے، جہاں تک بن پڑے ان کی بھلائی چاہے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے، اگر یہ چیز نہیں ہے تو ایمان و اسلام بھی نہیں، پہاڑوں جتنا بھی زہد و عبادت ہو اور سمندر جتنی بھی دولت خرچ کر ڈالی جائے لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بے کار و عبث ہے۔ فرمایا: لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (رواہ الشیخان) کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی مسلمان کیلئے بھی پسند کرے۔ فرمایا: لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا (شیخان) تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نہ کرو۔ اور فرمایا: لا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنا جشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا تنابزوا وكونوا عباد الله اخوانا (شیخان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو باہم حسد و کینہ اور عناد نہ رکھو بدگوئی نہ کرو اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ حضرت جابر کو وصیت کی: ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد (مسلم) تجھ پر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اس کی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو اور شام آئے تو اس طرح کہ کسی طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہ ہو۔ اور فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری) مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اور فرمایا: المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولا یحقره (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے پس اپنے بھائی پر نہ تو ظلم کرتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اور فرمایا: لایحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث (شیخان) کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے۔ اور فرمایا: ملعون من ضار مؤمنا اومکر به (ترمذی) اللہ کی اس پر پھٹکار ہے جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اس کو دھوکہ دیا۔

ایک حدیث میں یہاں تک زور دیا: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یحد النظر الی

اخیہ (رواہ الحاکم وصححہ) جوشخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو نہ چاہئے کہ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے، یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھے۔ پس جب اللہ کی شریعت حقہ نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی باہمی محبت و برادری پر رکھی اسی کو ایمان کی جڑ قرار دیا، وہی اسلام کی اصلی پہچان ہوئی، اسی پر ایمان کی تکمیل موقوف ٹھہری، تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوئے رشتہ کو توڑ دے اور اپنے ہی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیری و مددگاری کیلئے بنائے گئے مسلمانوں کی گردنیں کاٹے اس سے بڑھ کر خدا کی زمین پر اس کی شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بدعملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں تو اس فعل سے بڑھ کر اور کون سا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و غیرت کو ہلا دے اور اس کی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں؟ جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلہ میں ہیچ بتلائے، اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں ہو اس سے بڑھ کر شریعت الٰہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے؟ اور ان سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کر سکتے ہیں کونسا گناہ ہے جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے؟ دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمہ لاالٰہ الا اللہ سے بڑھ کر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں مل جاتی؟ پس جس بدبخت کا احساس ایمانی یہاں تک مسخ ہوجائے کہ باوجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے، وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا بلکہ اللہ کے کلمہ توحید کو ذلیل و خوار کرتا اور اس کی عزت و جلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ کی روایت ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بنوالحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دے کر بھیجا تھا، لڑائی میں اسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا، ساتھ ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا، اسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اس کے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا: لاالٰہ الا اللہ، میں نے

کچھ پرواہ نہ کی اور قتل کرڈالا،لیکن کلمہ کی صدا سن کر انصاری نے تلوار روک لی،آنحضرت ﷺ کو جب حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوئے اور فرمایا:اقتلته بعدماقال لااله الاالله ؟تو نے اسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لاالہ الااللہ کہا تھا؟میں نے عرض کیا:انما کان متعوذا وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلئے کہہ دیا تھا فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھافما زال یکررها علی حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم لیکن آنحضرت ﷺ برابر یہی جملہ دہراتے رہے(تو نے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لااله الاالله کہا تھا)یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا حزن وملال اور اس واقعہ کا تأثر دیکھ کر مجھے اس قدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا،ایک روایت میں ہے:افلا شققت عن قلبه حتی تعلم تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں؟یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اس کا احترام واجب ہوگیا،خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو،دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ کی روایت سے بھی مروی ہے اور اس میں بعض زیادات ہیں:فیه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له فکیف تصنع بلا اله الاالله اذاجاء ت یوم القیامة ؟ فقال یارسول الله استغفرلی قال فکیف تصنع بلا اله الاالله اذاجاء ت یوم القیامة ؟قال فجعل لا یزیده علی ان یقول کیف تصنع بلااله الاالله اذاجاء ت یوم القیمة یعنی آنحضرت ﷺ نے اسامہ سے کہا قیامت کے دن جب وہ لاالـــہ الااللہ کے ساتھ تیرے سامنے آئیگا تو اس وقت کیا کرے گا؟یعنی اللہ کو کیا جواب دے گا؟اسامہ نے عرض کیا یارسول اللہ اب تو مجھ سے یہ قصور ہوگیا میری بخشش کیلئے دعا کیجئے لیکن آنحضرت ﷺ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن لاالہ الااللہ کا جب دعویٰ ہوگا تو تم کیا جواب دوگے؟اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی۔

بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا:ان لقیت کافرا فقاتلنی فضرب احدی یدی بالسیف فقطعها ثم لاذ منی بشجرة فقال اسلمت لله افاقتله بعد ان قالها؟

اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کریں اور وہ تلوار میرے ہاتھ پر اس طرح مارے کہ ہاتھ کٹ جائے پھر الگ ہوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا تو یہ کہنے کے بعد اسے قتل کروں یا نہ کروں؟ فرمایا: لا تقتلہ مت قتل کرو قال انہ قد قطع احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا مقداد نے عرض کیا اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس کے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا پھر کیوں نہ میں اس سے اپنا بدلہ لے لوں؟ فرمایا: لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ و انت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمۃ التی قال جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن جب کلمہ توحید کا اقرار کر لیا تو پھر قتل نہ کر، اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا اور تو مسلمان، لیکن اگر تو نے اقرار کے بعد اسے قتل کر دیا تو وہ تیری جگہ ہو جائے گا اور تو اس کی جگہ۔

یہ دو روایتیں اس بارہ میں نہایت ہی عبرت انگیز ہیں، جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا، کیونکہ اس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا۔ اور اس پر اس قدر رنج و افسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتی رہی، تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان ان مسلمانوں کو قتل کرے جن کی ساری زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئی ہیں اور جنہوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ لا الــــہ الا اللہ کا اقرار وورد کیا ہے اس کی شقاوت و خسران کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھ کر اور کونسا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلئے عذاب الیم کا موجب ہو؟

قتل مسلم پر وعید شدید

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلئے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کیلئے نہیں فرمائی، یعنی فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ اس میں خلود فی النار، غضب، لعنت، تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور تمام قرآن و سنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلئے مخصوص ہیں مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کئے گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام معاصی و فسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے، کفر صریح و قطعی کے بعد اور عام معاصی سے اشد کوئی فعل ہو سکتا ہے تو وہ

یہی ہے اور اسی لئے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ وقتالہ کفر اور لا ترجعو بعدی کفارا معصیت وفسوق کا لفظ اس کی ناپاکی وملعونیت ظاہر کرنے کیلئے کافی نہ تھا۔ جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ سباب المسلم فسوق تو پھر اس کو قتل کردینا صرف فسق ہی کیوں ہو؟

ایمان وکفر کے شعبے

ثانیاً: جس طرح ایمان واسلام کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ان میں ہی سے ہر شاخ ایمان واسلام ہے: الایمان بضع وسبعون شعبة فا فضلها لااله الاالله وادنا ها اماطة الاذی عن الطریق (رواہ مسلم واصحاب السنن الثلا ثة، وروا ہ البخاری بضع وستون) اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اور اعلیٰ وادنیٰ مراتب ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے اور اسی لئے صحابہ وسلف سے مروی ہے: کفر دون کفر وظلم دون ظلم۔

اور پھر جس طرح ایمان واسلام اعتقادی بھی ہے اور عملی بھی، یعنی اعتقادیات میں بھی ہے اور عملیات وظواہر میں بھی، فکر میں بھی ہے اور فعل میں بھی ہے، ایمان باللہ ورسول بھی اسلام ہے اور نماز بھی اسلام ہے، ٹھیک اسی طرح کفر ونفاق کی بھی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی، ایک کفر ونفاق اعتقادیات وافکار کا ہے ایک اعمال وافعال کا، شرک کفر اعتقادی ہے اور ترک صلوٰۃ متعمداً کفر عملی ہے پس یہ جو فرمایا کہ: سباب المسلم فسوق وقتاله کفر اورجزاؤہ جهنم خالدا فیها اور لا ترجعون بعدی کفارا، اور فلیس منا تو ان میں اور عموم احکام کفر واسلام میں کوئی تعارض نہیں، نہ لفظ کفر کی یہاں کوئی تاویل کرنی چاہئے اور نہ نفی اسلام کو نفی کمال پر محمول کرنے کی ضرورت، شارع نے جس فعل کو کفر کہا وہ کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اور جب تک دنیا باقی ہے وہ کفر ہی ہے اور کفر ہی رہے گا۔ البتہ یہ کفر مثل دیگر اعمال کفریہ کی طرح عملی کفر ہے نہ کہ کفر اعتقادی ومخرج عن الملۃ، اس کا کرنے والا ویسا ہی فعل کفر کا مرتکب ہوگا جیسا کہ نماز چھوڑ دینے والا مسلمان جس کے کفر پر صحابہ کرام کو اتفاق تھا، وکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یرون شیأ من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوٰۃ (ترمذی)

من الاعمال کی قید اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عمل کی باتوں میں جو بات کفر ہوسکتی ہے وہ بات ترک صلوٰۃ سمجھی جاتی تھی، لیکن بلاشبہ یہ وہ کفر نہیں ہے جو مخرج عن الملۃ ہے جب تک ایک شخص اعتقاد کے اس دروازہ سے پلٹ نہ جائے جس دروازہ سے اسلام میں داخل ہوا تھا اور اس وقت تک اس معنی میں کافر نہیں ہوسکتا ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اور حدیث ابوسعید خدری کہ: فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجوہ (رواہ البخاری).

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانا شریعت کے نزدیک انتہائی معاصی میں سے ہے جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں، اس لئے اس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر ومرتد کردیتا ہے اس کفر سے بڑھ کر عنداللہ کوئی برائی نہیں اور قریب ہے کہ اس کا مرتکب اس کفر کی رو میں بھی داخل ہوجائے، کتاب وسنت نے جن جن لفظوں اور وعید وامتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے وہ عام معاصی وفسوق کیلئے بھی اختیار نہیں کئے گئے۔ اور وہ ایسے سخت وشدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بدحال کردینے کیلئے کافی ہیں، بس اگر مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کئے جاسکتے ہیں اس سے سرزد ہوسکتے ہیں مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کرسکتا۔

قرآن میں لعنت اور غضب کا لفظ کفار ومنافقین کیلئے مخصوص ہے، لعنت کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الٰہی سے مہجور اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی، یہودی ملعون ومغضوب ہوئے اور عزت وحکومت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے، سورہ احزاب میں منافقین پر لعنت وارد ہوئی: ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والأخرۃ الخ. چنانچہ وہ سب نیست ونابود ومخذول ہوگئے، چونکہ ایمان واسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں، وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح ومراد کا سرچشمہ ہے، اس لئے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو وہاں لعنت الٰہی کا بھی ورود ہوسکے، احادیث میں جابجا ایسے واقعات ملیں گے کہ سخت سے سخت معاصی وفسوق کا جن

لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا ان پر بھی ''لعنت'' کرنے سے آنحضرت ﷺ نے روکا۔

امام بخاری نے باب باندھا ہے: ما یکرہ من لعن شارب الخمر یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہوجائے اس پر لعنت کی ممانعت، اس میں عبداللہ ملقب بہ الحمار کا واقعہ بروایت حضرت عمر لائے ہیں، یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوچکا تھا، سزائیں پاتا تھا، توبہ کرتا تھا، پھر مبتلا ہوجاتا تھا، ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا تو بعض مسلمان بول اٹھے: اللھم العنہ ما اکثر ما یوتی بہ اس پر خدا کی لعنت ہو، لیکن آنحضرت ﷺ نے نہایت سختی سے روکا: لا تلعنوہ (وفی لفظ لا تلعنہ) فو اللہ ما علمت انہ یحب اللہ ورسولہ (وفی روایۃ تلعنہ یحب اللہ ورسولہ) اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، حافظ عسقلانی نے حافظ ابن عبدالبر کا قول نقل کیا ہے: انہ اتی بہ اکثر من خمسین مرۃ فتأ مل۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت مندرجہ کتاب الدیات بخاری، کہ ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ ہوا اور اس کو بیٹھنے کا حکم دیا گیا کسی نے کہا اخزاک اللہ خدا تجھے رسوا کردے، فرمایا: لا تقولوا ھکذا لا تعینوا علیہ الشیطان، اور سنن ابی داؤد میں ابن وہب کے طریق سے ہے: ولکن قولوا اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ بددعا نہ دو بلکہ یوں کہو! خدایا اس پر رحم کر خدایا اسے بخش دے قلت وما املح فی ھذا المقام قول الشاعر العارف ؎

فدائے شیوہ رحمت کہ درلباس بہار　　　بعذر خواہی رندان بادہ نوش آمد

لیکن صرف قتل مسلم ہی ایک ایسی معصیت ہے جس کیلئے قرآن نے لعنت اور غضب کے الفاظ استعمال کئے اور احادیث میں بھی جا بجا لعنت وملعون کا لفظ وارد ہوا۔ صرف اسی ایک بات سے فیصلہ کرلو، خواہ یہ فعل کفر قطعی ومخرج عن الملۃ ہو یا نہ ہو، لیکن اللہ کی شریعت کے نزدیک اس کا ارتکاب کس درجہ مبغوض وملعون ہے؟ اور جو مسلمان اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ اللہ کے حضور کس طرح اپنے اسلام وایمان کی ساری رحمتیں اور برکتیں کھودیتا ہے؟ (جاری..........)

(ماخوذ از معارف مدنی۔ مؤلفہ فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

مسئلہ تکفیر

فقیہ العصر حضرت ترمذی قدس سرہ نے ''مسئلۂ تکفیر'' سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ذیل کا بصیرت افروز محققانہ مضمون تحریر فرمایا تھا، جس میں اصول تکفیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں ہونے والی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی گئی ہے، امید ہے کہ اہل علم اسے بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) کسی کو کافر کہنے کے معاملہ میں جس طرح آج کل بہت زیادہ بے احتیاطی ہو رہی ہے اور بعض لوگوں نے اس میں اس قدر افراط کر رکھی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں اور ذرا ذرا سی خلاف شرع حرکات کی وجہ سے اسلام سے خارج کر دیتے ہیں جس کی عام طور پر شکایت زبان وقلم پر آتی رہتی ہے، آپ کے اس سوال میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

اسی طرح دوسری طرف بعض آزاد خیال لوگوں نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ کوئی قول وفعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائد اسلامیہ کے صریح مخالف ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں، وہ ہر مدعیٔ اسلام کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں، خواہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو اور وہ ضروریات دین کا انکار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

(۲) جس طرح کسی مسلمان کو بغیر تحقیق کے کافر کہنا ایک سخت پُر خطر معاملہ اور قابل مذمت ہے، اسی طرح جو شخص قواعد شرعیہ سے کافر ہو چکا ہو اس کو مسلمان کہنا بھی کفر کو اسلام کہنا اور حدود کفر و اسلام میں التباس پیدا کرنا ہے جو حرام ہے۔

امر اول: کے متعلق تو فقہاء کرام نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف شرع کلام میں چند احتمالات ہوں اور سب میں یہ کلام کلمہ کفر بنتا ہو مگر صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے تو معنیٰ کفر نہیں رہتے، تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال پر حمل کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے، جب تک کہ خود متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میرے مراد اسلام والے احتمال کی نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدے کا قائل ہو جائے جو ائمہ اسلام میں مختلف فیہ ہو تو اس کفر مختلف فیہ کی وجہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔

(صرح بہ فی البحر الرائق باب المرتدین ج ۵)

امر دوم: کے متعلق بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سلف صالحین کے تعامل نے یہ بات متعین کر دی کہ اس میں سستی کرنا اصول اسلام کو نقصان پہنچانا ہے، لہٰذا جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں اسی طرح یہ بھی روا نہیں کہ غیر مسلم کو مسلمان کہا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ مرتد ہوئے تھے ان کا ارتداد قسم دوم ہی کا ارتداد تھا، صریح طور پر تبدیل مذہب نہ تھا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جہاد کرنے کو اتنا زیادہ اہم سمجھا کہ نزاکت وقت کا بھی خیال نہ فرمایا، اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے ماننے والوں سے جہاد کیا جس میں جمہور صحابہ شریک تھے، ان کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو شخص ختم نبوت کا انکار کرے یا نبوت کا دعویٰ کرے وہ مرتد ہے اگر چہ تمام ارکان اسلام کا پابند اور زاہد و عابد ہو۔

بہر حال مسئلہ کی دونوں جانب نہایت سخت احتیاط کا تقاضہ کرتی ہیں اس لیے کہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے اور حسب تصریح حدیث اس کہنے والے کے کفر کا اندیشہ قوی ہے، اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا بھی اس سے کم نہیں۔

ابوالمعالی نے فرمایا ہے:

لان ادخال کافرفی الملة الاسلامية اواخراج مسلم عنهاعظيم فی الدين ۔(شرح شفاء ج ا ص ۵۰۰) کیونکہ کسی کافر کو مذہب اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اس سے خارج سمجھنا دین میں بڑے خطرہ کی چیز ہے۔

کفر وایمان کی حقیقت

پہلے اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شریعت اسلام کی اصطلاح میں کفر وایمان کی حقیقت کیا ہے؟ مسلمان کس کو کہتے ہیں اور کافر کس کو؟

یہ ایسا اصولی مسئلہ ہے کہ اگر اس کو قرآن وسنت اوراجماع کی روشنی میں سمجھ لیا جائے تو دور حاضر کے تمام ملحدانہ فتنوں ،قادیانی ،نیچری ،پرویزی وغیرہ کو سمجھنے اوراس کی اسلامی حیثیت کے تعین کرنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہوسکتی ۔اور یہ سوال بھی حل ہوجاتا ہے کافر کون ہے اور مسلمان کون ہے۔

ایمان کے اصطلاحی شرعی معنیٰ

اصطلاح شریعت میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اعتماد اور بھروسہ پر احکام خداوندی اور غیب کی خبروں کی تصدیق کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔

کفر کے معنیٰ

کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اس سے کفر کی صورت بھی واضح ہوجاتی ہے ،اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھروسہ اوراعتماد پر بے چون وچرا تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کو نہ ماننا جو ہم تک قطعی اور یقینی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچا ہو اور وہ حکم ضروریات دین میں سے ہو کفر ہے۔مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا

نام ایمان ہے اس کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر وارتداد ہے۔

مذکورۃ الصدر ایمان اور کفر کی تعریف سے واضح ہوگیا کہ ایمان تمام عقائد ضروریہ دینیہ کے مجموعہ کی تصدیق وتسلیم کا نام ہے، لیکن کفر کے لیے ان سب چیزوں کی تکذیب یا سب کا انکار ضروری نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر ہی ہے اور کفر کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ مذہب بھی تبدیل کرے بلکہ شریعت کے ایک قطعی ضروری حکم کے انکار سے بھی آدمی کافر ہوجاتا ہے اگرچہ یہ شخص دوسرے تمام احکامات ضروریہ پر ایمان ویقین رکھتا ہو اس لیے کہ جو حکم قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہے اور ضروریات دین میں اس کا شمار ہوتا ہے اس کا انکار کرنا انکار رسالت کے مترادف ہے۔

ایک قرآنی مثال

دیکھئے شیطان ابلیس کا کفر اس قسم کا تھا کہ وہ خداتعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کا اقرار کرتا تھا اور ''یارب'' کہہ کر انظرنی الی یوم یبعثون کی درخواست کررہا تھا، مگر سجدہ کے حکم کا انکار کرتا اور اس کو ناقابل عمل سمجھتا تھا اس لیے کافر ہوگیا، ابٰی واستکبر وکان من الکافرین اس نے اللہ کے حکم کا انکار کیا اور کافر ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس ایک قطعی حکم ربانی کے انکار ہی شیطان کافر ہوگیا، اگرچہ وہ خداتعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفر وارتداد کے لیے تمام ضروریات دین کا انکار ضروری نہیں بلکہ دین کی کسی ایک قطعی ضروری بات کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا تمام ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ کفر وارتداد کے لیے اسلام یا توحید ورسالت کا انکار ضروری نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے وجود کے لیے تو تمام ضروریات دین کا تسلیم کرنا ضروری ہے لیکن کفر کے لیے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرنا کافی ہے، اس کے لیے کل ضروریات دین کا انکار ضروری نہیں ہے۔

ایمان کے لیے تمام ضروریات دین کا تسلیم کرنا ضروری ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

(۱) یایھاالذین آمنواادخلوافی السلم کافة ولاتتبعواخطوات الشیطٰن انہ لکم عدومبین ۔(پ۲) **اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔**

یعنی اسلام کے تمام احکام کو مانو، بعض احکام اسلام کو ماننا بعض کو نہ ماننا یہ شیطان کی پیروی ہے۔

(۲) أفتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فماجزاء من یفعل ذٰلك منکم الاخزی فی الحیٰوة الدنیاویوم القیامةیردون الٰی اشدالعذاب ۔(پ۱) **تو کیا مانتے ہو بعض کتاب اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی تم میں جو یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں گے سخت عذاب میں۔**

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ کتاب کے ایک حصہ کو ماننا اور ایک کو نہ ماننا صریح کفر ہے اور اس کی جزاء دنیا میں رسوئی اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب ہے۔

(۳) أفکلماجاء کم رسول بمالاتھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم وفریقاًتقتلون وقالواقلوبناغلف بل لعنھم الله بکفرھم فقلیلامایؤمنون ۔(پ۱) **پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تم تکبر کرنے لگے، پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا دوسری کو قتل کر دیا اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لائے ہیں۔**

اس آیت میں ایک حکم کے نہ ماننے پر ہی کفر کا حکم لگایا گیا ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی گئی ہے۔

(۴)ان الـذيـن يـكـفـرون بـالـلـه ورسـوله ويريدون ان يفرقوابين الله ورسوله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون ان يتخذوابين ذٰلك سبيلا اولٓئك هم الكٰفرون حقاًواعتدناللكٰفرين عذابامهينا ۔(پ٦) جولوگ منکر ہیں اللہ سے اوراس کے رسول سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اوراس کے رسول میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کواور نہیں مانتے بعضوں کواور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ کی راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصلی کافراور ہم نے تیار کررکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں میں فرق کرنا،اللہ پرایمان لانااور رسولوں پرایمان نہ لانااس کوکفرقراردے کرایسے لوگوں کے واسطےخبردی گئی ہے کہ ان کے لیے ذلت کاعذاب تیارکررکھاہے۔

(۵)والـذيـن آمـنوابالله ورسله ولم يفرقوابين احدمنهم اولٓئك سوف يـؤتيهـم اجـورهـم وكـان الله غفورارحيما ۔(پ٦) اورجولوگ اللہ پراوراس کے رسولوں پرایمان لائے اورجدانہ کیاان میں سے کسی کو،ان کوجلد دے گاان کے ثواب اور اللہ ہےبخشنے والامہربان۔

اس آیت کریمہ میں وضاحت فرمادی گئی کہ ایمان کے لیےجس طرح اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول پرایمان لاناضروری ہےاوراللہ ورسول میں تفریق کفرہے جیسا کہ آیت ۴ میں صراحت کے ساتھ گزراہے،اسی طرح ایمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ رسولوں میں بھی باہم تفریق نہ کی جائے اوراللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پرایمان لایاجائے ،اگران میں سے کسی ایک رسول پربھی ایمان نہ لایاتواس کاایمان اللہ کےنزدیک معتبرنہیں کیونکہ ایک ہی کی تکذیب اللہ کی اورتمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے۔یہود نے جب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تکذیب کی تو حق تعالیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور پکے کافر سمجھے گئے۔(حاشیہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مذکورہ آیات کریمات سے واضح ہے کہ ایمان واسلام کے لیے تمام عقائد اسلام کو تسلیم کرنا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا اور تسلیم نہ کرنا کفر ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار یا اللہ تعالیٰ کے کسی رسول کا بھی انکار کفر ہے، اسی طرح جن جن احکامات قطعیہ ضروریہ کا انکار کفر ہے ان میں سے کسی ایک قطعی حکم کا انکار بھی کفر ہے جیسا کہ شیطان نے ایک قطعی حکم کا انکار کیا کافر ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام تمام ضروریات دین کے مجموعہ پر ایمان کا نام ہے اس مجموعہ میں سے کل اجزاء دین یعنی تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے، اس مجموعہ میں سے کسی ایک چیز پر بھی اگر ایمان منفی ہو جائے تو مجموعہ پر سے ایمان کی نفی کا حکم لگا دیا جائے گا کیونکہ جزء کی نفی عقلاً کل کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے، اور ایک جز پر ایمان کی نفی سے مجموعہ اور کل پر ایمان کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ تمام اجزاء کے وجود کے بغیر کل اور مجموعہ کا تحقق ممکن نہیں ہے اگر ایک جزء بھی کم ہو گیا تو کل نہیں رہا، خوب سمجھ لیا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو گیا ہو گا جو بعض لکھے پڑھے لوگوں کو ہو جاتا ہے کہ جب ایک شخص تمام ارکان اسلام اور ضروریات دین کو تسلیم وقبول کرتا ہے تو پھر اسلام کے صرف ایک جزء کے انکار سے اس کو اسلام سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے؟

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام کیا ہے، کفر کیا ہے۔ اور ان دونوں کی حقیقت معلوم ہونے سے متعین ہو جائے گا کہ مسلمان کون ہے، کافر کون ہے۔ مسلمان اور

کافر ہونے کا مدار عقائد پر ہے، اسلام کے تمام بنیادی اور قطعی عقائد پر ایمان وعقیدہ رکھنے والا مسلمان ہے اور قطعی عقائد میں کسی عقیدہ کا انکار کرنے والا کافر ہے۔قرآن کی روشنی میں اس تحقیقی معیارِ اسلام وکفر کو سامنے رکھ کر ہر فرقہ کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور تفصیل کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''کفر واسلام قرآن کی روشنی میں'' ملاحظہ کیا جائے۔

مختصراً یہ ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں تو عقائد کا اختلاف ہی نہیں ہے، تمام ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں یہ سب حضرات متفق ہیں، نہ ان میں کوئی کسی کو کافر کہتا ہے بلکہ سب ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے اور کہتے ہیں، ان کی کتابیں اس پر گواہ ہیں۔ بعض چند فروعی اعمال میں ان کا اختلاف ہے، اس اختلاف سے ایمان واسلام میں کوئی خلل نہیں آتا، ایسا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بھی پایا جاتا ہے، بلکہ اِن حضرات کا اختلاف زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلاف پر ہی مبنی ہے، اس اختلاف کی حقیقت سے ناواقف دانشورا سے اسلام وکفر کا اختلاف سمجھ کر خود کو بحث تمسخر بنادیتے ہیں کہ ان کو اسلام کے بنیادی عقائد اور فروعی اعمال میں تمیز کا بھی سلیقہ نہیں ہے اور ان کو اسلام کے بنیاد عقائد اور اعمال کے اختلاف کی حیثیت بھی معلوم نہیں۔اس بے خبری کے باوجود الزام علماء کو دیتے ہیں کہ یہ جس کو چاہیں مسلمان اور کافر کہتے ہیں۔

عقل کی بات یہ ہے کہ علماء پر الزام رکھنے سے پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ جس شخص یا جس فرقہ پر علماء محققین نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے اس میں کوئی بھی سبب کفر نہیں پایا جاتا، علماء محققین کے فتاویٰ میں تکفیر کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیا جاتا ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے ہر شخص کے کہنے کا اعتبار نہیں ہے، ہر فن میں اس کے ماہر علماء کا حکم ہی معتبر ہوتا ہے ہر کس وناکس کے حکم کی وجہ سے الزام نہیں دیا جاسکتا، البتہ دیوبندی، بریلوی،

اہل حدیث میں بعض دفعہ شدت یا مغالطات کی وجہ سے نوبت تکفیر کی آجاتی ہے مگر تحقیق کے بعد وہ مغالطہ دور ہوجاتا ہے، اس لیے علماء محققین ایک دوسرے کی آپس میں تکفیر نہیں کرتے بعض غیر محققین کی زبان وقلم پر ایسے الفاظ آجاتے اور وجہ نزاع بن جاتے ہیں، محققین ایسے الفاظ سے احتراز ہی کرتے ہیں۔

شیعہ کے البتہ بعض عقائد کفریہ (ان کی کتب میں موجود) ہیں جیسے تحریف قرآن کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت قذف لگانا (العیاذ باللہ منہا) ایسے شیعہ کی تکفیر محققین علماء کرام کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کی ہے تو ان پر تہمت لگانی قرآن کریم کی نص قطعی کا انکار ہے جو کہ کفر ہے۔ (اسی طرح قرآن کریم کی تحریف کا عقیدہ بھی کفریہ ہے)۔

(۲) ہر مسلمان کی اقتداء میں نماز ہوجاتی ہے لیکن مسلمان ہوتے ہوئے اگر امام بدعات میں یا بداعمالی فسق میں مبتلا ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور کسی متقی بدعت سے پرہیز کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے، اس لیے نماز میں اقتداء نہ کرنے سے یہ سمجھ لینا بھی بڑی بے علمی اور غلطی ہے کہ یہ اس امام کو مسلمان نہیں سمجھتا، ممکن ہے کہ اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ اس کا بدعتی ہونا یا فسق عملی یا اعتقادی ہو، نماز میں اقتداء نہ کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ اس نے امام پر کفر کا فتویٰ لگادیا مسئلہ کی حقیقت سے ناواقفیت اور بے علمی پر مبنی ہے نماز میں اقتداء نہ کرنے کی وجہ امام کے کفر میں ہی منحصر نہیں ہے، بدعت یا فسق علمی وعملی بھی اس کی وجہ سے ہوسکتی ہے، امید ہے کہ دونوں سوالوں کے جوابوں کو غور سے ملاحظہ کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

سید عبدالشکور ترمذی

۱۳/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

مفتی محمد راشد ڈسکوی جامعہ فاروقیہ کراچی

چھٹیاں کیسے گذاریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابھی کل تک کی ہی تو بات ہے کہ نئے سال کی ابتدا، قدیم اور جدید داخلوں کے لیے مفوضہ ذمہ داریوں کی مصروفیت، قدیم اور جدید طلباء کی آمد، نئی کتب، نئے اسباق ملنے پر ذوق وشوق کے ساتھ تیاریاں عروج پر تھیں۔ اور آج! گویا پلک جھپکتے ہی وقت کا پنچھی ایک سال کے عرصے کو ایک جست میں ہی اُڑا کے لے گیا ہے، وراثتِ نبوت کو حاصل کرنے کی طلب میں آنے والے مہمانانِ رسول نے اپنے ظروف میں اپنی اپنی وسعت ومحنت اور مساعی جمیلہ کے ساتھ بھرا؛ اور علم وعمل کے میدان میں ترقی کی منازل طے کرتے رہے، اللہ رب العزت سب طالبین کو ان کے علومِ دینیہ سے دنیا وآخرت میں مستفید فرمائے، اب جب کہ تعلیمی سال کا اختتام بالکل سروں پر ہیں اور تعطیلاتِ سنویہ کی آمد آمد ہے تو مفید معلوم ہوا کہ سال کی انتہا اور تعطیلات کے بہتر سے بہتر گذارنے سے متعلق کچھ باتیں طلباء ساتھیوں کے گوش گذار کر دی جائیں، شاید کہ کسی کے سامنے اُس کے فائدے کی کوئی بات آجائے اور وہ اُس پر عمل پیرا ہو کر اپنے اس فرصت کے زمانے کو بھی قیمتی بنالے۔

پہلا کام (معافی تلافی)

تعطیلاتِ سنویہ سے قبل امتحانات کے اس زمانے میں خاص طور پر اور سال کے ہر مہینے، مہینے کے ہر ہفتے، ہفتے کے ہر دن اور دن کے ہر منٹ اور ہر لمحے ہمارا معاملہ بندگانِ خدا کے ساتھ خاص طور پر؛ اور خدائے بزرگ وبرتر کے ساتھ عام طور پر؛ ایسا ہونا چاہیے کہ نہ تو اللہ اور اس کے بندے ہم سے ناراض وخفا ہوں اور نہ ہی ہم اللہ اور اس کے بندوں سے

ناطہ توڑے ہوئے ہوں، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہمارے کردار اور اعمال کی ترازو جھکنی ہی چاہیے، ورنہ ڈر ہے کہ دنیا وآخرت کی رُسوائیاں اور خُسرانِ عظیم ہمارا مقدر ہی نہ بن جائے، اور کل قیامت کے روز ''صلہ رحمی'' کی پکار: "مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ". (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٦٦٨٣) کو قبول کرتے ہوئے ہمارے لیے تباہی وبربادی کا فیصلہ کر دیا گیا تو یہ بربادی ایسی بربادی ہوگی کہ جس کا تدارک اُس وقت ہم سے نہیں ہو سکے گا۔

اس لیے آج وقت ہے کہ ہم زندگی کے ان حاصل شدہ ایام میں ہر کسی سے اپنا معاملہ صاف کر لیں، کوئی ہم سے ناراض ہے، تب بھی۔ اور کسی سے ہم ناراض ہیں، تب بھی۔ ظلم، زیادتی اور ناانصافی ہمارے طرف سے ہے، تب بھی۔ اور ظلم، زیادتی اور ناانصافی دوسرے کی طرف سے ہے، تب بھی۔ اگر پہلی صورت ہے، تو! اس صورت میں تو بہر حال ہم پر لازم ہے کہ فی الفور مدمقابل سے معافی مانگ کر اپنا معاملہ صاف کر لیں، وگرنہ! ہم پر ''مفلسِ حقیقی'' کا لیبل چسپاں کر کے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں منہ کے بَل پھینک دیا جائے گا۔ اور اگر ظلم، زیادتی اور ناانصافی دوسرے کی طرف سے ہے تو پھر بھی آگے بڑھ کے اُسے اپنے سینے سے لگا لیں، اسے معاف کر دیں، جی ہاں! اس لیے کہ اس صورت میں رحمۃ للعالمین ﷺ ہمارے لیے ضامن بنتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ اس بندے کو جنت کے اوپر والے حصے میں عالی شان محل بنوا کر دیں گے۔' قال رسول الله ﷺ: "أَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا." (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۴۸۰۲) اور یقیناً نفع ہی نفع کا سودا ہے۔

اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں کہ کسی کا، کسی طالبِ علم سے، مدرسہ کے عملہ کے کسی بھی فرد سے، اپنے اساتذہ میں سے کسی سے یا مدرسہ

کے متعلقین کے علاوہ کسی سے بھی کوئی ناراضگی یا قطع تعلقی والا معاملہ تو نہیں ؟! اگر ہے تو خُدارا! کل یا پرسوں نہیں، بلکہ آج ہی اُس کو حل کرنے کی سو فی صد کوشش کریں۔

دوسرا کام (حقوق کی ادائیگی)

معافی تلافی اور صلح کے بعد اہم ترین کام حقوقِ مالیہ واجبہ کی ادائیگی کا ہے، مثلاً: کسی کا قرض ذمہ میں ہے، تو اس کی ادائیگی کی فکر کر لی جائے، اگر ادائیگی فی الفور ممکن نہیں ہے تو بطورِ وصیت اپنے پاس اپنی ڈائری میں یا کسی بھی جگہ (جہاں بصورتِ انتقال دوسروں کی دسترس ہو جائے) اُس قرض کی تفصیل نقل کر لی جائے، اسی طرح اگر دوسروں کی امانتیں اپنے پاس ہوں تو جانے سے قبل ان کی ادائیگی بھی کر دی جائے یا کم از کم ان کی تفصیل کا اندارج بھی اپنے پاس کر لیا جائے، انہی چیزوں میں سے ایک چیز یہ ہے کہ جامعہ سے مستعار لی ہوئی وقف والی کتب بروقت واپس کر دی جائیں۔

تیسرا کام (خروج فی سبیل اللہ)

تعطیلات کے دوران اپنے اندر صفاتِ حسنہ پیدا کرنے کے لیے، اپنے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے، اپنے اندر پائی جانے والی اعمالِ صالحہ کی کمی دور کرنے کے لیے اور خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے سپرد کی گئی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری کو بحسنِ خوبی ادا کرنے کے لیے مطلوبہ استعداد اپنے اندر حاصل کرنے کی غرض سے دعوت وتبلیغ کے لیے نکلنے والی جماعتوں کے کاروان میں شامل ہوا جائے، سارا سال اغلب طور پر علمِ الٰہی کے حصول میں اور تعلطیلات کا زمانہ اس علمِ الٰہی کی تبلیغ، ترویج اور اشاعت میں گذار لیا جائے تو تجربات، مشاہدات اور حضراتِ اکابرین کے ملفوظات کی روشنی میں بالجزم کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعد از فراغتِ مدرسہ اپنے ایسے بندوں اشاعتِ دین کے مختلف الانواع شعبوں میں سے کسی نہ کسی شعبے کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں ضرور وابستہ رہنے کی توفیق

مرحمت فرما دیتے ہیں۔

رائے ونڈ کے زمانۂ تعلیم میں استاذِ محترم داعی کبیر حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بارہا یہ بات سنی کہ ''جو طالبِ علم زمانہ تعلیم میں اپنی چھٹی اور فرصت کے اوقات تبلیغ کی محنت میں گذارنے کی محنت میں استعمال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فراغت کے بعد اُسے اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں''۔

ذیل میں بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی صاحب رحمہ اللہ اور بعض دیگر اکابرینِ امت کے اقوال پیش کرتا ہوں کہ اہلِ علم کے لیے زمانہ تعلیم میں ہی اس کام میں شمولیت کس قدر ضروری ہے؟!

تبلیغی جماعت کے ساتھ اہلِ علم طبقہ کی شمولیت کی اہمیت:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ اپنی تصنیف ''مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' میں لکھتے ہیں کہ: ''آپ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمہ اللہ) نے اپنے نزدیک اس کا فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک اہل علم اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اور اس کی سرپرستی نہ کریں گے اس وقت تک اس اجنبی دعوت اور اس نازک کام اور لطیف کام کی طرف سے (جس میں بڑی دقیق رعایتیں اور نزاکتیں مطلوب ہیں) اطمینان نہیں کیا جاسکتا، آپ کو اس کی بڑی آرزو تھی کہ ''اہل'' اشخاص اس کام کی طرف توجہ کریں اور اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اس کام کے فروغ میں لگائیں، جس سے اسلام کے درخت کی جڑ شاداب ہوگی پھر اس سے اس کی تمام شاخیں اور پتیاں سرسبز ہو جائیں گی''۔

اہلِ علم کے لئے طرزِ محنت:

اس سلسلہ میں آپ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمہ اللہ) علماء سے صرف وعظ وتقریر ہی کے ذریعے اعانت نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ کی خواہش اور آپ کا

مطالبہ علماءِ عصر سے سلفِ اوّل کے طرز پر اشاعتِ دین کے لیے عملی جدوجہد اور در بدر پھرنے کا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب [نوراللہ مرقدہ] کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''عرصہ سے میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعتِ دین کے لیے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں، اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ عوام پر جو اثر اہلِ علم کے عمل وحرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہوسکتا، اَسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہلِ علم پر بخوبی روشن ہے۔''

طلباءِ کرام کے تبلیغ میں اشتغال کی حیثیت:

درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں کو شبہ تھا کہ تبلیغ واصلاح کی اس کوشش میں مدرسین اور طلباءِ مدارس کا اشتغال، ان کے علمی مشاغل اور علمی ترقی میں حارج ہوگا، لیکن آپ جس طرح اور جس منہاج پر علماءِ مدارس اور طلباء سے یہ کام لینا چاہتے تھے وہ درحقیقت علماء اور طلبہ کے علوم کی ترقی اور پختگی کا ایک مستقل انتظام تھا، ایک گرامی نامہ میں (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

''علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دینِ پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسرانِ عظیم ہے، میرا مطلب تبلیغ سے، علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہچانا نہیں ہے، بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ مسلمان جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے''۔

طلباء کے لئے زمانۂ طالبِ علمی میں محنت کرنے کا طریقہ:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمہ اللہ چاہتے تھے کہ اس تبلیغی کام ہی کے ضمن میں طلبہ اپنے اساتذہ ہی کی نگرانی میں اپنے علوم کے حق ادا کرنے کے لئے نافع ہوں، ایک گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

''کاش کہ تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اساتذہ کی نگرانی میں مشق ہو جایا کرے تو علوم ہمارے نفع مند ہوں، ورنہ! افسوس کہ بے کار ہو رہے ہیں، ظلمت اور جہل کا کام دے رہے ہیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون''۔ بہرحال اپنی اس دعوت کو اعلیٰ علمی ودینی حلقوں میں پہچانے کے لئے آپ نے جماعتوں کا رُخ دینی مرکزوں کی طرف کیا۔(مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۱۰۹، مکتبہ دینیات)

علم میں ترقی کا طریقہ:

علم کی طرف ترقی کے لئے مولانا کے نزدیک دوسری شرط یہ تھی:

''یاد رکھو! کوئی عالم علم میں ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہ جو کچھ سیکھ چکا ہے دوسروں تک نہ پہنچائے جو اس سے کم علم رکھتے ہیں، اور خصوصاً اُن تک جو کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، میرا یہ کہنا حضور ﷺ کی اس حدیث سے ماٴخوذ ہے''مَن لا یَرحم لا یُرحم''، بر دیگراں پاش کہ حق بر تو پاشد، کفر کی حد تک پہنچے ہوؤں تک علم پہنچانا اصل علم کی تکمیل ہے اور ہمارا فریضہ ہے اور جاہل مسلمانوں تک علم پہنچانا مرض کا علاج ہے۔''

(مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۲۷۴، مکتبہ دینیات)

صحابہ کرام کا حصولِ علم کے لئے طریقِ کار

''فرمایا: مدینہ منورہ میں علوم دینیہ کا کوئی مدرسہ بھی نہ تھا اگر ہوتا تو بھی وہ (مدینہ والے) اس کے باقاعدہ طالبِ علم نہیں بن سکتے تھے اور دین کی ضرورت، مسائل واحکام

اور مسائل کے علم سے بے بہرہ نہیں تھے، یہ علم ان کے پاس کہاں سے آیا؟ ! محض رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت وحضوری پر زیادہ جاننے والوں کے پاس بیٹھنے اور اہل دین کی صحبت و اختلاط اور ان کی حرکات وسکنات کو بغور دیکھنے، سفروں اور جہاد میں رفاقت اور بروقت اور برموقعہ احکام معلوم کرنے اور دینی ماحول میں رہنے سے، اس میں شبہ نہیں کہ اس درجہ اور معیار کی بات آج حاصل نہیں ہوسکتی، لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی کچھ نہ کچھ صورت انہی راستوں سے آج بھی پیدا کی جا سکتی ہے''۔
(مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۱۰۶، مکتبہ دینیات)

جملہ اہلِ علم کی ذمہ داری

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''عموماً اہلِ علم کی ساری جماعتوں سے یہ بھی عرض ہے کہ اِن متعین اوقات کے علاوہ دوسرے عام اوقات میں اپنی اپنی جگہ خاص و عام میں تبلیغ سے غافل نہ رہیں''۔
(تجدید تعلیم وتبلیغ، ص:۱۹۳)

موجودہ دور کے خوفناک حالات اور ان سے خلاصی کی راہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ ہی ایک انتہائی اہم مضمون میں رقم طراز ہیں کہ:

''عذاب بصورتِ نفاق کی تعبیر صوبائی عصبیت، گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے؛ جو ملک کے در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء، صلحاء اور عوام و حکام سب بہے جا رہے ہیں؛ اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تک تمام عناصر اپنی پوری قوتیں صرَف کر رہے ہیں، پورا ملک آتش فشاں کی مُہیب لہروں کی لپیٹ میں ہے، جس پر توبہ، استغفار، تضرع و ابتہال اور دعوت اِلی اللہ کے ذریعے آج تو قابو پایا جا سکتا ہے، مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی

کارگر نہیں ہوگی اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے؟! کون رہے گا؟! اور کس کی حکومت ہوگی؟! اور انسان محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور پوری اُمت کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ و صلی الله تعالی علی خیر خلقه صفوة البرية سيدنا محمد وعلى اله وأصحابه وأتباعه أجمعين۔" (بصائر وعبر، حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ کا سبق آموز پیغام، ص:۱۵)

چوتھا کام (مختلف الانواع دوروں میں شرکت)

اگر کوئی طالبِ علم کسی بنا پر جماعتِ تبلیغ کے ساتھ نا جا سکتا ہو تو پھر اُس کے لیے ہماری گذارش یہ ہے کہ وہ ملک بھر کے مدارسِ دینیہ میں منعقد ہونے والے مختلف الانواع علمی دوروں (مثلاً: دورہ صرف ونحو، دورہ تفسیر، دورہ منطق، دورہ سراجی ومیراث، دورہ لغۃ العربیہ، دورہ ردفرق وادیانِ باطلہ، دورہ ردقادیانیت، دورہ فلکیات، دورہ صحافت، دورہ خطابت وغیرہ) میں سے اپنے اساتذہ سے مشورہ کر کے اپنے مناسبِ حال کسی دورے کا انتخاب کر کے اُس میں شرکت کرے، عام طور پر ان دوروں کے انعقاد کا دورانیہ تیس سے چالیس دن کا ہوتا ہے، اس مختصر سے عرصے میں ماہرِ فن اور سالہا سال سے تجربہ رکھنے والے علماء کرام اپنی خداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، اپنے تجربات کی روشنی میں متعلقہ دورے کی مبادیات سے لے کر پورے فن کا خلاصہ شرکاءِ دورہ کے سامنے رکھتے ہیں۔

ہمارے خیال میں ان دوروں میں سے ہر دورے کا کما حقہ فائدہ مختلف طلباء کے لیے مختلف درجات کے بعد تو مفید ہوتا ہے، لیکن اس سے قبل یہ فائدہ تو یقیناً ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا وقت کسی دینی کام میں ہی گذار رہا ہے لیکن مقاصدِ خاصہ کے ساتھ منعقد کیے جانے والے مختلف الانواع دوروں کا کما حقہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا؛ مثلاً: ''دورہ صرف ونحو'' اور

''دورہ لغۃ العربیہ'' درجہ رابعہ کے بعد مفید ثابت ہوگا؛ البتہ درجہ اولیات کے وہ طلبہ جو صرف ونحو میں کمزور استعداد کے حامل ہوں، ان کے لیے درجہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ کے بعد مفید رہے گا۔ ''دورہ تفسیر، دورہ سراجی ومیراث، دورہ منطق، دورہ فلکیات'' میں درجہ سادسہ اور ان سے اوپر کے طلباء زیادہ بہتر طریقے سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان طلباء میں اخذ کی صلاحیت کافی حد تک پیدا ہوچکی ہوتی ہے؛ اور بڑی حد تک متعلقہ فنون کی کتب پڑھ چکے ہوتے ہیں؛ اور ''دورہ ردفرق وادیانِ باطلہ، دورہ صحافت، دورہ ردقادیانیت'' سے درجہ سابعہ اوراس سے اوپر کے طلباء اِن مختصر المیعاد دوروں میں دیے جانے والے اسباق پر اچھے طریقے سے گرفت کرسکتے ہیں۔ اوراس سے بھی آگے بڑھ کے، اگر یہ دورے فراغت کے بعد کیے جائیں، جب کہ بندہ عملی میدان میں قدم رکھ چکا ہوتا ہے یا رکھنے والا ہوتا ہے، تو اُس وقت ان دوروں کا فائدہ صحیح معنیٰ میں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دورانیہ تعلیم کے جس مرحلے میں بھی کسی بھی دورے میں شرکت کی جائے، کسی نہ کسی درجہ میں حصولِ فائدہ سے انکار تو ہے ہی نہیں۔

مختلف الدرجات کے لیے کون سا دورہ کب مفید ہے؟! اس میں یقیناً ایک سے زیادہ آراء ہوسکتی ہیں، مذکورہ ذکر کی گئی ترتیب کوئی منصوص نہیں ہے، یہ تو محض تجرباتی یا ذوقی چیز ہے، اس لیے دورہ کے انتخاب کے لیے ضابطے کے اپنے اساتذہ کی رائے پر عمل کرنا نہایت مفید ثابت ہوگا۔

شرکاءِ دورہ کی خدمت میں ہماری گذارش یہ ہے کہ طلباء ان مخصوص ایام میں دورہ میں پڑھائے جانے والے اسباق کو خوب اچھی طرح ضبط کرنے کا اہتمام کریں، مفید باتوں اور نکات کو اپنے پاس رجسٹر میں نقل کرلیا جائے، تو نور علیٰ نور ہے، اسباق کے علاوہ کے اوقات میں متعلقہ اساتذہ کرام کے مشورہ سے متعلقہ فن کی اُن کتب کا مطالعہ کرنے کی

بھی کوشش کی جائے، جو دورہ میں یا درس نظامی کے نصاب میں داخل نہیں ہیں۔اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ دورہ کروانے والے اساتذہ کے ''فن اور طرزِ تدریس'' کو سمجھتے ہوئے اُسے کاپی میں محفوظ بھی کیا جائے تا کہ بوقتِ ضرورت اس سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

پانچواں کام (اپنے علاقے میں کرنے کے کام)

دعوت وتبلیغ میں وقت لگانے والے یا مختلف دوروں میں شرکت کرنے والے طلباء کرام یا وہ طلباء کرام جو مذکورالذکر دونوں کاموں میں شرکت نہ کر سکے ہوں، جب اپنے گھروں کی طرف لوٹیں تو اُن کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اپنے مقام پر، اپنے گھروں میں، اپنے گلی محلوں میں، اپنے معاشرے میں اپنے آپ کو ایسا پیش کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کے متعلقین واضح طور پر، کھلی آنکھوں آپ کے بارے میں یہ محسوس کریں کہ ''ہمارا یہ عزیز'' مدرسہ کی زندگی اختیار کرنے سے قبل، یا سابقہ سال میں تو (اپنی عبادات، اپنے معاملات، اپنی حسنِ معاشرت اور اپنے اخلاق میں) ترقی کے اس معیار پر نہیں تھا، جس معیار پر اب پہنچ چکا ہے۔اس تبدیلی کے لیے اور گھروں میں گذارے جانے والے ان ایام کو قیمتی بنانے کے لیے اپنے اساتذہ سے ان مواقع پر سنی ہوئی کچھ مفید باتیں نمبر وار ذیل میں ذکر کی جاتیں ہیں، جن کو اپنانا انشاء اللہ العزیز آپ کو ایک مثالی طالب علم بنا دے گا، لوگ آپ کی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھائیں گے، آپ کے ہاتھ چومیں گے، آپ کا ادب کریں گے، آپ کی بات توجہ سے سنیں گے، آپ کے مشوروں پر عمل کریں گے، آپ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں گے، اپنے فیصلوں کے لیے آپ کو حَکَم بنانا تسلیم کریں گے، آپ کی مثالیں دے کر اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کی تربیت کریں گے، آپ کو دیکھ کر اپنی اولاد کو بھی مدارس دینیہ میں داخل کروانے کا فیصلہ کریں گے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ رب العزت دنیا وآخرت کی سعادتیں آپ کا مقدر بنا دیں گے:

صبح سویرے نمازِ فجر کے لیے از خود اُٹھنے کا اہتمام کرنا، پانچوں نمازیں ، باجماعت،مسجد میں،تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ،پہلی صف میں ادا کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا۔

مسجد میں ہونے والے تبلیغی اعمال (تعلیم ،گشت ،مشورہ،شب جمعہ، جماعتوں کی نصرت وغیرہ) کا اہتمام کرنا، اور نمازوں کے بعد ہونے والے دروسِ قرآن و دروسِ حدیث میں شرکت کرنا۔

مسجد کے ائمہ، علاقے کے قدیم کبار علماء کرام کی ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہونا، اگر وسعت ہو تو ان کی شان کے مطابق، وگرنہ اپنی حیثیت کے مطابق ،ان کے لیے کوئی معقول ہدیہ لے کر جانا، اُن سے مختلف امور میں مشاورت کرنا، اپنی تعلیمی وتبلیغی کارگذاری ان کے سامنے بیان کرنا۔

اگر اپنے علاقے کی مساجد میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ ہوتا ہو تو اس کا انتظام کرنا، اگر درس وغیرہ یا تبلیغی اعمال نہ ہوتے ہوں تو مقتدر حضرات کو اپنا ہم نوا بنا کر ان اعمال کو شروع کرنا۔اگر کہیں جمعہ پڑھانے کا موقع ملے تو خوب اچھی طرح تیاری کر کے پڑھانے کا اہتمام کرنا۔ان تمام مذکورہ اعمال میں دیگر طلبہ مدارس کو اپنے ساتھ شریک رکھنا۔

اگر اپنی قراءت میں کمزوری ہو تو کسی ماہر قاری صاحب سے بات کر کے اپنی تعطیلات کے اعتبار سے جامع ومانع ترتیب بنانا۔

کسی ماہر کاتب سے مسلسل اور خوب اہتمام سے مشق لے کر اپنا خط سنوارنا۔

کسی کمپیوٹر کے ماہر سے کمپوزنگ سیکھنے کی ترتیب بنانا، ایک عالمِ دین کے لیے موجودہ دور میں یہ مہارت بہت نفع کی چیز ہے،اسی طرح مکتبۃ الشاملہ استعمال کرنے میں مہارت حاصل کرنا بھی بہت مفید ہے،اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپیوٹر کے مفاسد سے بچتے ہوئے اس کا صحیح استعمال بہت ہی نافع ہے۔

گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹانا، سودا سلف لا کر دینا، گھر سے متعلق انتظامی امور میں بے جا دخل اندازی کے بجائے حسنِ تدبیر سے کام لیتے ہوئے اصلاحِ احوال کی کوشش کرنا، گھر میں مروج غیر شرعی امور (ٹی وی، وی سی آر، بے پردگی وغیرہ) میں بہت سوچ سمجھ کر، احسن طریقے سے، بتدریج تبدیلی لانے کی کوشش کرنا، اس تبدیلی کی ابتدا، انفرادی ترغیب کا راستہ اختیار کرکے ذہن سازی کے ساتھ آسان ہوجائے گی، لیکن یاد رکھیں؛ اس تبدیلی کے لیے اہم ترین اقدام اس وقت ہی ممکن ہو سکے گا، جب آپ خود اپنی ذات کے اعتبار سے ان محارم سے اجتناب کرنے والے ہوں گے، وگرنہ ہر تدبیر رائیگاں جائے گی۔

روزانہ والدین کے پاس کچھ وقت فارغ کرکے خاص ان کے پاس بیٹھنا، ان کی سننا اور اپنی سنانا، ان کی جسمانی خدمت کرنا (یعنی: سر، پاؤں، کندھے دبانا) اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرنا۔

تمام رشتہ داروں کے پاس اُن کے مقام پر ملاقات کے لیے جانا، رشتہ داروں میں غیر محرم عورتوں سے بہر صورت شرعی پردہ کرنا۔

علاقے میں موجود اپنے قدیم وجدید اساتذہ کے پاس ملاقات کے لیے جانا، اگر ان کے پاس جانا ممکن نہ ہو تو کم از کم ٹیلی فون پر تو ضرور رابطہ کرنا۔

ہر خاص وعام سے سلام میں پہل کرنا۔

غیر نصابی کتب بالخصوص اکابرین کی سوانح وغیرہ کا مطالعہ بھی کیا جائے۔

یہ بات اچھی طرح سوچ لینی چاہیے اور ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ مدارس سے باہر کی دنیا کے افراد؛ چاہے وہ کوئی ہو، آپ کی فنون نحویہ، صرفیہ، منطقیہ، یا فقہیہ میں مہارت سے کوئی متاثر نہیں ہوگا، بلکہ وہ آپ کے حسن اَخلاق، آپ کی حسن معاشرت، آپ کے اٹھنے بیٹھنے، آپ کے چلنے پھرنے، آپ کی سنت زندگی کو اختیار کرنے سے متاثر ہوگا، لہٰذا

اپنی زندگی کے ان پہلوؤں سے ہرگز ہرگز غافل نہ ہوں، ان امور پر خصوصی توجہ دیں، ان کے اختیار کرنے کی کوشش کریں اور اللہ سے ان صفات کے حصول کی خوب دعا بھی کریں۔

آخری اہم ترین گذارش

اب آخر میں طلبہ ساتھیوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ تعطیلات کو بہترین سے بہترین مصرف میں گذارنے کے لیے ضرور بضرور اپنے ان اساتذہ سے مشاورت کریں، جن کے ساتھ آپ کا تعلق ہو، وہ آپ کی تعلیمی، اخلاقی کیفیت اور مزاج سے واقف ہوں، ان کی رائے کے مطابق آپ دورے کا انتخاب کریں اور جس جگہ دورہ کرنے کی وہ رائے دیں، اسی جگہ دورہ کریں، اگر وہ آپ کے حق میں آپ کے لیے کچھ اور مفید سمجھیں تو بھی ان کی رائے کو اختیار کریں، یہ بات اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ اس وقت بہت سی جگہوں میں غیر معتبر اور غیر مستند افراد قرآن وحدیث اور تفسیر کے نام پر دیوبندیت کا لیبل لگائے ہوئے ،فکری اور نظریاتی ارتداد پھیلا رہے ہیں، اسلام کے نام پر اسلام سے دور کر رہے ہیں، دیوبندیت کا نام لے کر دیوبندیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، تفسیر کی آڑ میں اپنے گمراہ نظریات سے صاف اور خالی الذہن طلبہ کو بھی فکری ارتداد میں مبتلا کر رہے ہیں، ایسے افراد کو پہچان کر ان سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے، اور جب اللہ ہمت اور استعداد دے دے تو اس وقت ان کے فکری اور نظریاتی ارتداد کی حقیقت طشت از بام کر دیں۔

مذکورہ مفاسد سے بچنے کی خاطر اپنے اساتذہ سے مشاورت اور ان کی رائے کے مطابق قدم اٹھانا از حد ضروری ہے، اللہ رب العزت ہم سب کو مرتے وقت تک صراط مستقیم پر ثابت قدمی نصیب فرمائے، اور ہر طرح کے شرور وفتن سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہماری صلاحیتوں کو ہدایت کے پھیلنے کے لیے قبول فرمائے اور ہم کو اپنی منشا کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ

۵رجمادی الاخریٰ: حضرت صدر مدظلہم نے دارالعلوم سرگودھا میں بیان فرمانے کے بعد مسجد کے سنگ بنیاد رکھنے میں شرکت کی۔ بعد عشاء ٹانگو والی میں بیان فرمایا۔ ۶: حضرت مدظلہم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم اور حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ سے ملاقات فرمائی۔ ۱۲: حضرت مدظلہم پھول نگر تشریف لے گئے اور جامعہ کے سابق متخصص مولانا اسداللہ عمر نعمانی کے ہاں بیان فرمایا۔ ۱۵: حضرت مدظلہم نے مدرسہ انوارالاسلام شاہین آباد میں جلسہ عام سے بیان فرمایا۔ ۱۹: حضرت مدظلہم لودھراں تشریف لے گئے اور بعد عشاء دارالعلوم لودھراں میں بیان فرمایا۔ اس سفر میں حضرت مولانا شفیق احمد سلیم زید مجدہ بھی حضرت کے ہمراہ تھے۔ ۲۰: حضرت مدظلہم باب العلوم کہروڑپکا تشریف لے گئے جہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی اور حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہما سے ملاقات فرمائی۔ بعدہ سردار پور جھنڈیر میں قائم عظیم کتب خانہ میں تشریف لے گئے اور معائنہ فرمایا۔ ۲۴: حضرت مدظلہم نے نماز جمعہ کے موقع پر گزشتہ شب نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک نوجوان کی شہادت پر احتجاج ریکارڈ کرایا اور جمعہ کی نماز کے بعد حقانیہ عیدگاہ میں عوام الناس کو پرامن رہنے کی تلقین کی اور مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ۲۵: حضرت مدظلہم جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر ڈی پی او صاحب سرگودھا سے بھی ملاقات ہوئی۔ ۲۹: حضرت مدظلہم نے سرگودھا بلاک ۱۳ میں قاری اکرم سراجی صاحب کے ہاں بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

عبادات میں اوقات اور کیفیات کا تعین

عبادات میں اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتخصو الیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ،ولاتخصو ایوم الجمعۃ لصیام من الایام الاان یکون صوم یصوم احکم ۔(مسلم ج ا ص ۳۶۱)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزہ رکھنے کے لیے خاص کرنا منع ہے۔

الاعتصام میں علامہ ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں:

ومنھا التزام الکیفیات والھیئات المعینۃ کالذکر بھیئۃ الاجتماع علی مرت واحدۃ (الی ان قال) ومنھا التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ ثم یوجد لھاذ لک التعین فی الشریعۃ ۔(ج ا ص ۳۴)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

واذ اندب الشرع ای ذکر اللہ فالتزم قوم الاجتماع علی لسان واحد وبصوت واحد اوفی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع ۔۔علی ھذا التخصیص الملتز کل مایدل فیہ مایدل علی خلافہ ۔(ج ا ص ۳۳۵)

علامہ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

ان ھذا

محفل میلاد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے صحیح حالات و واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو پیش کرنا باعث نزول رحمت خداوندی ہے اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے حالات کو معلوم کرے اور ان کو مشعل راہ بنائے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو متعین کر کے اس میں میلاد منانا محفل و مجلس منعقد کرنا جلوس نکالنا یا اسی دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل قرون سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر ولادت باسعادت اور شی ہے اور یہ مندوب و مستحب اور مجلس میلاد اور محفل میلاد اور چیز ہے اور یہ بدعت ہے۔

اس کی تفصیل خیر الارشاد الی عید المیلاد میں قابل ملاحظہ ہے جو بارہ مہینوں کے احکام کے مجموعہ میں شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محفل فی نفسہ مستحب تھی مگر انضمام مفاسد کی وجہ سے یہ ممنوع ہوگئی ، چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''نفس ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام قبور کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی''۔ (ج ۱ ص ۱۰۱ فتاویٰ رشیدیہ)

اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ عرس کے عدم جواز پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر ایسے مصالح سے یہ تعین ہو تو فی نفسہ جائز ہے لیکن اگر اور کوئی عارض موجب منع اس میں منضم ہو جائے، مثلاً مجمع کے جمع کرنے کا اہتمام (جس کو عرف شرع میں تداعی کہتے ہیں) یا احتمال فساد عقیدۂ عوام تو ان عوارض سے پھر وہ مباح بھی ممنوع ہو جاویگا اور وہ عرس واجب الترک ہو جاوے گا، جیسا اس زمانہ میں اکثر اعراس کی حالت ہوگئی، پس قدماء

مشائخ سے جو اعراس منقول ہیں، اگر سند نقل صحیح ہو ان میں کوئی امر منکر ثابت نہیں پس ان کے فعل میں کوئی اشکال نہیں البتہ اس وقت کے اعراس کو ان پر قیاس کرنے کی اصلاً گنجائش نہیں کہ اس میں علاوہ فساد عقیدہ کے التزام واہتمام ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ۔۔۔منہی ہو جاتی ہے جس کی نسبت نسائی شریف کی حدیث میں ہے: لاتجعلوا قبری عیداً وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم۔ (ابوداود حصہ۲ ص ۴۰۱)

اگر کسی فہیم تعلیم یافتہ کا یہ عقیدہ نہ ہو تو غایت مافی الباب اس کے لیے علت ممانعت یہ نہ ہوگی مگر یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری علت سے بھی منع نہ کیا جاوے، اگر کو دوسری علت منع کی پائی جاوے گی تو ان کو بھی روکیں گے، وہ علت ایہام جاہل ہے یعنی خواص کے کسی فعل مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

جامع مسجد ترمذی: جامعہ حقانیہ ساہی وال، حقانیہ ٹاؤن فروکہ روڈ پر الحمدللہ جامع مسجد ترمذی کے تہہ خانہ 94x76 کی تعمیر کا کام کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ شروع ہو چکا ہے جس کا تخمینہ لاگت تقریباً ایک کروڑ روپے (10000000) ہے۔ قارئین سے سہولت کے ساتھ تکمیل کے لیے دعا کی درخواست ہے۔